

## علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مجلس مذکورہ میرا ۱۵ ارماں پر ٹپھائیا

### نذر بک اور عقیدت

ریش و بروستہ میرے ڈاکٹر ہوئے کا سوال ہی پیدا نہیں تھا تا  
ایں لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ دل کی ساری بھروسہ اس  
تجھی ہی کے صفحات میں نکالتا رہوں۔

حسن اتفاق دیکھئے کہ ناچیز کی اس داد کا تعلق جن فکری  
زاویوں سے تھا وہ ٹھیک اسی موضوع سے تعلق رکھتے تھے  
جسے آج کی مجلس مذکورہ کے داعیوں نے اپنے تجویز کر دے  
تیرہ عسویوں میں پہلا اور دوسرا نمبر دیا ہے۔ یعنی اسلام اور  
سامن۔ یا اسلام اور عقیدت۔

عام حالات میں اس مجلس مذکورہ کی دعوت قبول  
کرنا میرے لئے مشکل ہوتا ہے کیونکہ ہر کے کوئی نہیں پیٹھ کر سمجھی  
کے لئے صفات سیاہ کرنا جس قدر آسان ہے، کسی ملک ہند  
مجلس مذکورہ میں اہل علم کے آئے پڑھنے کے قابل مقالہ  
لکھنا اتنا آسان نہیں ہے۔ ابھی کچھ روز ہوئے آپ کی اسی  
یونیورسٹی میں سلم پرستیں لائے موجود پر ایک مجلس مذکورہ  
منعقد ہوئی تھی اور خاکسار نے بھی رنجانے کی رویں اسلی  
دعوت قبول کر لی تھی۔ مگر کچھ۔ بظاہر اپنی عدم الفرضیتی  
کے باعث۔ مگر حقیقتاً اپنی نا اہلی اور بے بھنا عقتوں کی  
وجہ سے کچھ بھی لکھنے کے قابل نہ ہو سکا اور پھر وعدہ خلافی  
کا حرم بن کر ہر جی پر کف انسوں ملتا رہا۔ ظاہر ہے امّذہ  
تجھے کسی بھی علمی نوع کی مجلس مذکورہ کی دعوت قبول نہیں

اسے اتفاق ہی کہیے کہ آپ کے اس سینیار کا دعوت  
نامہ مجھے ٹھیک اس وقت پر ملا جب میں ارجع کے سچی  
کا ادارہ لکھ کر فارغ ہوا تھا۔ سینیار کا لفظ میں نے حضور  
نقید اُبُول دیا ہے ورنہ اس جدید اصطلاح کے صحیح  
معنی تاکہ پہنچا مجھے جیسے قدامت پسند کے لئے آسان نہیں  
ہے اسی لئے میں اجازت چاہوں گا کہ آپ مجھے سینیار  
کی جگہ مجلس مذکورہ کا لفظ استعمال کر لیں دیں۔ زیادہ  
صحیح لفظ تو شاید مشاعرہ کے وزن پر مناثرہ ہوتا لیکن  
مجھے امید نہیں کہ ثفت، اہل علم اس بدعت کی اجازت  
دے سکیں گے اس لئے مذکورہ ہی پر قناعت کرتا ہوں  
جس ادارہ کا میں نے ذکر کیا اس سے آج کی مجلس مذکورہ  
کا تعلق خاصاً ہے۔ آپ ہوئے نہ ہوں گے کہ  
ابھی آپ کی یونیورسٹی کے جلسہ قسم اسناد میں ملک کی  
ایک معروف شخصیت جناب ڈاکٹر جنرگڈ کرنے علم و  
دانش کے موتو بھیرے تھے۔ ان موتویوں میں وعظ و پیش  
کے بھی کچھ اصل و جاہر مجھے نظر آتے تو بے اختصار جیسا ہا  
کہ بھی کچھ صفحات میں ان کی داد دوں۔ میں اگر ڈاکٹر  
ہوتا تو آپ کی یونیورسٹی کے نفع المترتبہ ذمہ داروں سے  
ضرور التجاگرنا کہ داد کے لئے بھی کچھ وہی ایجاد عطا فرمائیں  
جسے ڈاکٹر موصوف نے زینت دی تھی لیکن ظاہر ہے کہ بایں

یقین رکھتا ہوں کہ جب تک تم کے پچھے جہد عمل کا ایک جذبہ بنتا ہے تو جو نہ ہو خالی بحث و نظر صرف نکتہ سنجی اور حضن منطق طرزی ہماری فطرت کی اُس پیاس کو تو بجا سکتی ہے جسے کسی حد تک ایک اچھا مشاعرہ یا ایک تین قسم کا لکھر پر و گرام بھی بجادیت ہے لیکن وہ مخصوص اور عیش قیمت شمات ہماری جھوٹی میں نہیں ڈال سکتی جن کی توقع ہماری سادہ لوگی بڑی آسانی سے قائم کر لیتی ہے۔

بات پچھے بذری ہو گئی۔ میں یہ عرض کر راتھاکہ ہل علم و دانش کی اس مجلس کے شامان شان کوئی مقالہ لکھنا بلاشبہ مجھے جیسے پیدا کئے تھے نہیں ہے لیکن باشان مجلس کے جذبہ باتی پیارداری بھی ایک اخلاقی ضرورت ہے اسی لئے میں نے تجھی والاداریہ دہرانے کا ارادہ ترک کر کے الگ سے یہ چند صفحات سیاہ کئے ہیں۔ انہیں ہل علم مقالہ کا نام دبن یا لغو گوئی کا۔ یہ کافی بہر حال وہ نزدے سکیں گے کہ میں نے داعی حضرات کے نام نہ کا حق ادا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

"اسلام اور عقلیت" کا موضوع میں اس لئے بھی پسند کیا کہ جتنے بھی موضوعات داعیان مجلس نے تجویز کئے ہیں وہ سب سب اس موضوع کے مقابلے میں شایدی جنتیں رکھتے ہیں۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ سب فروعات ہیں اور اصل الاصول اپنی موضوع ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اسلام کا معاشری نظریہ ہو یا سماجی، اس کا تصور امن ہو یا تصور جہاد۔ عقیدہ بجادت ہو یا عقیدہ اطاعت۔ ہر حال میں اس کے گیسوں کی مثالی شازم عقل ہی کی محاج ہو گی۔ عقل کے ساتھ تو گھر اور بازار کا ایک عمومی سامنہ بھی ٹھیک طرح پر جل نہیں کیا جا سکتا پھر تصور حیات اور معاش و معاد کے ذائقے عینیں اور طویل الذیل مسائل پر کیا گفتگو ہو سکتی ہے جب تک کہ عقل کی رہنمائی حاصل نہ ہو سکے۔ جب یہ طے ہے تو سب سے پہلے طے کرنے کے قابل کوئی بات اگر ہو سکتی ہے

کرنی چاہیے تھی مگر موجودہ مجلس مذاکرہ کی دعوت یہاں موجود کروپول کوئی تھی کہ از اپنی المکر یعنی الفرمیتی کا ہمیں بدکسر حملہ آور ہوئی تو یہی تجھی کا ادارہ یہ ایک ترشی ترشی کی دوں گا۔

لیکن اسے میری بدختی کہیے یا قدرت کی ستم طریقی کہ ابتدائی دعوت نامے کے بعد و بارہ جو خط تاریخ نکلی تبدیلی کا مجھے بھیجا گیا اس میں داعیان مجلس کی طرف سے یہ بشارت بھی سنائی تھی تھی کہ شریک ہونے والوں کی آمد و رفت کے مصادر اور قیاد طمع اکا بھی بند و بست خاطر خواہ معاً پر کیا گیا ہے۔ یہ بشارت میری طرح دوسرے مدعیین کو بھی سنائی تھی ہو گی۔ میں نہیں کہہ سکتا دوسروں پر اس کا لیکا اثر ہوا۔ خود مجھہ بر اس کا اثر ایسا ہی ہوا جو کسی دھمکی کا ہو سکتا ہے۔ دھمکی کا لفظ غیر لفظ محسوس ہو تو وارنگ کوہر یعنی تنبیہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہر حال میں نے یہ صورت حال کی بارہ بھی ہے کہ جب کسی شاعر کو مشاعرے والے خاطر خواہ سفر خرچ دے کر مدعا کرتے ہیں تو ان کی آرزو ہوتی ہے کہ شاعر اپناتارہ بتازہ کلام ان کے ایجج سے ضرور منائے۔ اگر یہ شاعر مخفی تھکلی چیزوں پر التفا کر جائے تو خواہ شاعرے کو اس نے سر پر ہی کیوں نہ اٹھایا ہو مگر دائی حضرات اسے "ٹر خاتا" بولتے ہیں اور سفر خرچ تو ایک طرف رہا طعام تکمیل کے باسے میں ان کا ناتھ پھر ایسا ہوتا ہے جیسے یہ رقم مٹی میں مل گئی ہو۔ آپ حضرات شاید بر امان جا میں چے کہ جھسہ کم سواد نے اسے سمجھدا اور طریقی سیمینیار کو پہلے تو مجلس مذکورہ کا نام دے کر جوان سے بڑھا بنا دیا اور پھر مشاعرہ جلی عالمیہ جنہی سے تنبیہ دے کر اس میں جانا مکال لی۔ میں واقعی اپنے دہماقی پر نام ہوں اور آپ سے معانی بھی چاہتا ہوں لیکن بد دیانتی ہو گی اگر میں یہ واضح مذکروں کے اس نوع کی مجالس کے باسے میں میرے خیالات زیادہ خوشگمانی پر مدنی نہیں ہیں ان کی حقیقی افادیت پر میرا ایمان بڑا گزور ہے اور میں

جذبات کے لئے آسودگی اور نفس کے لئے لذت کاملاں اپنے اندر رکھتا ہو۔ اسے بے حیا، سفاک، خود غرض اور بد نہاد جیسے الفاظ کا برف بنانے کے لئے نستعلیق ہونے کا تبیت ضرور ہم پہنچا سکتے ہیں لیکن تہہ کی بات یہ ہے کہ یہ شخص فی الحقيقة معاذور ہے۔ اسے اپنے جب یہ تفہیں دلاریاک مرنس کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ جو کچھ ہیں دنیا کی زندگی کے بھی حدود محدود سال ہیں تو پھر عین عقل کا اتفاق بھی یہی ہے کہ وہ حیا، الصاف بے لونی، ایشارا، یہی اور اسی نوع کی تمام ان قدر ووں کو ردی کی تو کہی میں ڈال دے جن کا کوئی قابل ہم مفہوم تصور آخوت کے بغیر نہ کلتا ہی نہیں۔ یہ مذہب ہی ہے جو مرنے کے بعد کی ایک وسیع ترین زندگی کا یقین دلا کر دیں اسی کی زندگی میں تقویٰ، اخلاق، یہی اور شرافت و نجابت کا عقلی و مطلق جواز دیتا ہے۔ بدترین قسم کی ماڈہ پرستی نے آخرت اور حیات بعد الممات کا تصویر ہی جب دلی و دماغ سے نکال دیا تو پھر مذہب کی روک ٹوک لایعنی اللہ ہی چالیہ اور مذہب سے جب بیزاری کا لفی یاتی جو اسلام کیا تو مذہب کو مشانے اور ذلیل کرنے کا یہی طریقہ سے کیا گرہ پوستا ہے کہ مذہب کے داعیوں اور حامیوں کو عقل کا دشمن، ساسن کا حریف اور جامد و تنگ نظر باور کرانے پر پروپگنڈے کے تام وسائل صرف کر دیتے جائیں۔

حالانکہ جہاں تک علماتے اسلام کا تعلق ہے وہ بھی بھی نہ ساسن کے دشمن رہے ہیں نہ عقل سلیم کے۔ اور جو برخود غلط لوگ اخنی مااضی کے ان سیمحی پیشواؤں اور پادشاہ پر قیاس کرتے ہیں جنہوں نے اپنی قیادت اور بالادستی قائم رکھنے کے لئے داشوروں، عالمیوں اور ساسن دانوں کو زندہ جلال اتنے تک سے دریغ نہیں کیا وہ ایک ایسا باطل اور بدیہی اغلط قیاس کرتے ہیں جس کے نئے علم و حقیقت کی نیا میں کوئی بنیاد نہیں۔

ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ اسلام نہ ہے اور اس سے ہر فعل کر گز رہا ہی چلا ہے جو جسم کے لئے راحت

تو یہی موسکتی ہے کہ عقل کیا ہے۔ عقولیت کے کہتے ہیں سلیم اور قیم کا فرق کیا معنی رکھتا ہے۔

یہ تصور آج کی دنیا میں بہت غامہ ہو گیا ہے کہ مذہب اور عقل ایک دوسرے کی خصداور قیض ہیں۔ اور اسی تصور کے طبعی تتحمیں مادہ پرستوں کی طرف سے مذہب کے حامیوں کو بے عقلی، جبود، رجیت پسندی اور تنگ نظری کے طعنے پوری بے تکلفی اور سلسے کے ساتھ عنایت کر جانے پہنچن آپ مرعوبیت سے دامن بچ کر خود کریں تو یہ تصور بجائے خود پیدے داشی اور عقل دشمنی کا شاہراہ کا ہے اس کے تیجے کوئی ٹھوک اور ساندھاگ اسداراں نہیں بلکہ اس کا سارا ازور شور آدمی کی ان نفسانی خواہشات اور جماں داعیات کے اباں سے عبارت ہے جس پر کسی بھی قسم کی پابندی اور قید و مسند اور ذمہ داری کا کوئی پوجھ آج کا وہ انسان پسند نہیں کرتا جسے ماڈہ پرستانہ افکار نے تمام اخلاقی و انسانی قدر ووں سے کاٹ دیا ہے۔ وہ گوناگون عوامل کے تحت جس ظاہر پرستی کا غلام بن گیا ہے وہی اسے اس بات پر اکسانتی ہے کہ مذہب کو تردید و تحقیر کا شانہ بناتے اور مذہب کے علمبرداروں کو عقتل و تدبیر سے محروم فرار دے کیونکہ مذہب اسے وہ لانہ ہات اور لا محاذ و آزادی عطا نہیں کرتا جس کے سایہ عاطفت میں اس کے بھر کے ہوئے جذبات، جملتی ہیوئی خواہشات اور بیکار حرص و ہیوس کو ھلکھلیں کے موقع پیسرا سکیں۔ الفاظ ہم کیسے ہی سخت استعمال کر لیں مگر واقعہ یہ ہے کہ انسان جب ہو چڑہ زندگی سے بالآخر سی زندگی کے تصور سے محروم ہو جائے اور اپنی اُستھیوں، آرزوؤں، اُستھیوں، اُستھیوں اور خواہشوں کی تلبیل کے لئے اسے زندگی کا صرف یہی میدان واحد میدان نظر آئے جس کی وسعت زبانی اور سلطہ اتنی نوے سال سے زیادہ نہیں تو اس کے اندر جلد بازی اور لذت اندر ورزی کا ایک طوفانی لاواچلتا ہی چلا ہے اور اس وہ ہر فعل کر گز رہا ہی چلا ہے جو جسم کے لئے راحت

پر پڑ گرا تکھیں دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہوں  
تب بھی یہ محروم ایسا راست یوگ اسی طرح دیکھنے سے  
محدود رہتے ہیں لیکن بعد ووقت اور قلیل گنجائش کی مناسبت  
پیش کر سکتے ہیں کہ جنہیں جیسے سورج مو جو دیکھنے ہو  
ٹھیک اسی طرح عقل اور شریعت کا معاہدہ ہے۔  
عقل ہی کو سب کو سمجھ کر دین و شریعت کی طرز سے  
تو چھیر لیا جاتے تو حقائق کی تھیاں ہرگز نہ پہنچ سکیں  
گی اور دین و شریعت کے ظواہر ہی کو سب کو  
سمجھ کر فکر و خوار، تحقیق و تدقیق اور اجتہاد و تابر  
سے رشتہ کاٹ دیا جاتے تب بھی یوگ نابینا  
ہیں رہیں گے۔

عقل بغیر شرع کے سبے کار اور شرع بغیر عقل  
کے بے سود۔

امام غزالیؒ کے یہ چند فقرے عقل کے سلسلے میں اسلام  
اور علمائے اسلام کے صریح، قطعی اور بے غبار موقف تکمیلی  
طرح واضح کرتے ہیں۔ جو لوگ نہ ہر بے شکایوں پر بلکہ عقلی  
کی حمایت اور فکر و دانش کی شخصی کا انتہام جڑتے ہیں ان  
کی مخالفت انگیزیزی اور غلط اندیشی کی کوئی حد نہیں۔  
ہمارا خیال ہے نہ ہب اور عقل و مائن میں تضاد کے تصور  
کی جستیں مغرب کے اُس تاریک دو ریس میں ہیں جس کا حال  
آپ حضرات مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہوں گے۔ یہ وہ  
دور تھا جب کچھی کلیسا علم و فتن اور فکر و اجتہاد کو ناقلات بل  
معافی جرائم تراویح کے ایں علم و مکال کو ہر ٹھیکن طریقے سے  
کچل ڈالتا اپنا فرض منصبی تصور کرتا تھا۔ ”آزادی فکر“  
اس دور سیاہ میں بدترین گناہ تھا۔ سائنسی اندیز فکر اور  
علوم و فتوحات کی روشنی میں مسائل حیات کی توجیہ و شروع  
اور عقائد و افکار کی صورت گری اس عہد کے سچی پیشواؤں  
کو کسی تیمت پر گوارانہ تھی۔ کیونکہ اس سے ان اور ہمارے  
اکاذیب کی قلعی گھٹتی تھی جن کے ستو نوں پر ان مذہبی  
آقاؤں کا تخت تقدیر اور کھاہوا تھا۔ نہ ہر بے نام پر ان  
دنیا پرست اور خود غرض پیشواؤں کے ظالمانہ طریق کا ر  
کا شرہ جو کچھ نکلا اس سے پڑھے لکھے حضرات خوب

میں اؤں ہیں اس کے نکری و عملی کارنامے قابلِ رشک ہیں  
تاریخ کا برواد فسترا اور علمائے اسلام کی صدیاں تصریحات  
پیش کر سکتے ہیں لیکن بعد ووقت اور قلیل گنجائش کی مناسبت  
سے صرف امام غزالیؒ کے چند ایسے فقروں پر اتفاکر ہیں گے  
جو اسلام اور علمائے اسلام کے موقف کی مکمل ترجیحاتی کرتے  
ہیں۔

اماً غزالیؒ اپنی گراناہی کتاب الاقتصاد فی  
الاعقاد کے بالکل آغاز ہی میں فرماتے ہیں:-

”جن لوگوں کو اللہ نے ایمان کے نیز اور اہل بصیرت و انتصار  
سے نواز اے ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شریعت اور عقل

میں ٹکراؤ اور اور تضاد ہرگز نہیں ہے اور یہ بھی جانتے  
ہیں کہ یہ معاملہ یک طرف نہیں دو طرف ہے۔ عقل بغیر

شریعت کے ناکارہ ہے اور شریعت کا دعا بھی  
عقل کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ حکم تعلیم ہی کے

ہمہ گروہوں میں کروٹیں بدلتے رہنا اور صرف

ظواہر کا ہی گرویدہ ہو جانا سارا سر جاہات و پست  
ہمیں ہے اور فقط عقل ہی کے ٹھوڑے پر سو اور ہر کوکر

شریعت کو نظر انداز کر دینا اور سارے سائل کو

عقل ہی سے حل کرنے کی سعی کرنا بڑا لھٹیا طرز عمل ہے  
اور اس طرز عمل کو قانون قدرت پر گستاخانہ جعلے

کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ تعلیم اور اندھا دھنہ  
بیرونی کے دلدادہ تفریط کے اعلیٰ مدارج میں پہنچنے

ہیں اور حکم عقل ہی کا راگ الائپنے والے افراد کے  
بیش از بیش مراحل طے کر رہے ہیں۔“

چند سطور بعد وہ ایک نتیجہ پیش کرتے ہیں:-

”عقل کو۔ جب کہ وہ سیم اور صحت مند ہوایک  
چشم میں کارکنہ کچھ نہ اور دین و شریعت کے مستند  
لکھ رکھنے کو سورج تصویر کرو۔ تاریک رات میں

آنکھ تو پرستور میانی کی استعداد سے بہرہ رہی،  
لیکن سورج کا نام ہرنا اس کی اس استعداد کو بھرت

اور ناکارہ جنمادیتا ہے۔ اور اگر سورج نہ سف نہمار

امرومنوں میں اس کائنات کے مختلف مظاہر اور مادی و معنوی خدائی پر توجہ دلانے کے بعد وہ کہتا ہے **هُوَ اللَّذِي يُعْلِمُ الْحَقِيقَةَ وَلَا إِلَهَ أَحْتَلَّهُ فَإِنَّكَ لَمْ تَكُنْ** وَاللَّهُمَّ إِنِّي أَفْلَأُ عَقْلَكُونَ (وہی ہے جو حلالاً اور مارتا ہے اور دیکھا ہے) جو رات اور دن کو بدلتا سدلتا رہتا ہے پس کیا تم عقل استعمال نہیں کرتے) اور سورۃ القصص میں کہتا ہے۔ **وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَنَاعَ الْحَيْثُنَةَ السَّادِنَيَا وَمَا يَنْهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى أَفْلَأُ عَقْلَكُونَ** (اور جو چیز ہی یا ان تھیں ملی ہے وہ بس اسی دنیا کی مناسع اور زینت ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور پائدار ہے۔ کیا تم میں عقل نہیں) اور سورۃ الحدايد میں کہتا ہے۔ **أَعْلَمُمُؤْمِنَاتِ اللَّهِ مُؤْمِنَاتُ الْأَرْضِ فَعَدَ مَمْتَحَنَاهَا فَلَدَّبَيْتَنَا كَمَمُ الْأَرْضِ يَا تَعْلَمُمُ تَعْلُمُونَ** رجان لوکہ اللہ ہی ہے جو زمین کی موت کے بعد اسے زندگی عطا کرتا ہے۔ ہم تھمارے سامنے کھول کھیل کر آلات بیان کرتے ہیں تاکہ تم عقل پکڑو، میں سے زائد جگہ آپ عین لفظ عقل ہی کا استعمال دیکھیں گے اندھیرے سے دیگر مفتات پر عقل و تدبیر کا مفہوم ادا کرنے والے دوسرے الفاظ میں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ اے انسان! عقل و بصیرت سے کام لے۔ احمدقوں اور انہوں کی طرح خواہشات نفس کی را ہوں میں بھٹکارت پھر۔

اور پھر جو شخص خلوص اور حسن نیت کے ساتھ قرآن کی طرف متوجہ ہوا ہے یہ بتہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئے گی کہ قرآن کے نزدیک فکر و تدبیر کا کوئی اسلوب بہت ہے جسے وہ بینی پر عقل قرار دیتا ہے اور کوئی اسلوب ہے جسے وہ جماقت اور سچ فکری سے تعمیر کرتا ہے۔ ہم یہاں صرف دو ایڈیشن پیش کریں گے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا گا۔ **وَمَنْ يَرَدْ غَبَبْ عَنْ مِلَكَةِ أَبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفَرَ نَفْسَهُ** دسوائے اس شخص کے جس نے اپنے آپ کو حماقات میں

واقعت ہیں۔ قدرتی رو عمل کے طور پر اس کے خلاف شدو مد سے بغاوت ہوتی اور جیسا کہ قانون فطرت ہے یہ رو عمل انساہی سخت اور طوفانی تھا کہ اس کی رزو میں مذہب کی ہتھیاری وہ قدریں، وہ تبلیغات اور وہ نیادی صنداقتیں بھی بہرے گئیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے پوری دنیا سے انسانیت کا قیمتی سرمایہ تھیں اور پھر ماذہ پرستانہ اندان نظر اس خیال کو سلسل تقویت دیا چلا گیا کہ مذہب ہی فساد کی جڑ ہے۔ مذہب ہی نسلم و طغیان کا ذمہ دار ہے۔ مذہب ہی عقل و سائنس کی راہ میں سڑ آہنی بن کر حائل ہوتا ہے۔ گویا غلط کار اور نفس پرست مذہبی ٹھیکیداروں کے من گھر عقائد اور خود غرضانہ کردار اور ہر اور ہر موس پر منی طرز عمل کو میں مذہب کا ہم معنی قرار دیا گیا اور اس طرح ایک طبعزاد مذہب کی جگہ ذہنی الحادثے نے لی جو عالم انسانی کے لئے نجات اور عافیت کا نہیں بلکہ اخلاقی تباہی اور روحانی افلوس کا نقیب تھا۔ ہم پرے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ نفس مذہب کو علی الاطلاق بلا کسی استثنائے کے بروپ مل بناۓ والوں کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کے ذمہ میں غرب کی اسی نازمی تاریخ کا پس نظر کار فرا چیندت میں جائز ہے اور اسلام کا کوئی قابل حماظ مطالعہ اتحوں نے نہیں کیا ہے۔ علم و تحقیق کے بغیر ہی وہ اسلام کو بھی اپنی مذہب بیزاری کی پیٹ میں لے لیتے ہیں کیونکہ ان کے تحت الشعور میں مذہب کا صرف وہی روپ رنج میں گیا ہے جس کا نظارہ انہوں نے سمجھ شیخ اوسنی تاریخ میں کیا تھا۔ یہ بات نہ ہوتی تو اسلام کی معتمد علمیہ کتاب ”القرآن“ کا ایک سرسری مطالعہ بھی انھیں بنا سکتا تھا کہ عقل و تدبیر کے درج پر اسلام کا روایتی کلیسا کے تاریخی روایتے سے کتنا مختلف ہے اور کس طرح بار بار وہ انسان کو عقل استعمال کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ آپ حضرات کے سامنے یہ وضاحت کرنا بغیر ضروری ہو گا کہ قرآن میں دو چار یادس پانچ جگہ نہیں پھا سوں مقامات پر عقل و تدبیر پر خصوصی نور دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ

میں تھنگی لگانے والے وہ دلشیور بھی ہوں گے جو دنیا میں تو ہمارت و فکاری کے جھنڈے کا طریقے لیکن مذہب ان کے نزدیک جس کا سدر رہا یاد ہے کہ ناک پر انہوں نے ایسے ادیان مول سے دلستگی قائم رکھی جو شخص عقل سالم اور داشت معتبر رکر رہی تھی۔ پھر آپ بتائیے کوئی توحیقیہ مسلمان اس پر کیسے آمد ہو سکتا ہے کہ اپنے تصوریات اپنے عقائد اور اپنے اصول و نظریات کے سلسلے میں اُن حضرت کی رہنمائی قبول کرے جو شخصی اور دنیاوی اعتبار سے خواہ کتنے ہی ذمی عقل و ذمی علم اور جہد بروشن فکر قرار پائے ہوں لیکن ان کا اور اس ساری کائنات کا خالق دنالک انہیں احمدی اور سفیرہ طیار رہا ہے۔

یہ بات دلچسپی سے کہ بعض عقل پرست حضرات جب تو ہی دلائل سے سابقہ پڑنے پر مذہب کی ہمروتوں سے فراز کی کوئی راہ نہیں پاتے تو ہر طبقے معموم اور شریف انداز میں روحاںیت، انسانیت، ضمیر اور اخلاقی حس جیسے الفاظ کی اُنٹریتے ہیں۔ مثلاً آپ ان سے کہیں کہ مذہب کا سہارا لئے بغیر تو عقل مجدد تک نہیں بتا سکتی کہ سکتے ہوں گے تو ہم کا داروغہ ان سے سوال کرے گا اور ہم یا پاب اور بیٹی یا اُن اور بیٹے کے درمیان رشتہ مناکوت مخصوص کیوں ہے۔ بلکہ عقل مجدد تو یہ تھی نہیں بتا سکتی کہ نکاح کیا ہی کیوں جائے۔ نہ ہو یہ بتا سکتی ہے کہ مناکوب موقع ملنے پر جو ری، غبن، قتل اور ہر وہ فعل یوں ذکر گذر اجاءے جس سے کوئی مادی منفعت یا جسمانی لذت حاصل ہونے والی ہو۔ تو یہ حضرات مسلمہ اخلاقی قدروں کی دلائی دیتے ہیں اور باور کرنا چاہتے ہیں کہ جن اُن اُن کو اُن انسانیت کا ضمیر متفق طور پر قبول کر جائے اُنھیں مذہب سے صرف نظر کر کے بھی نانا جا سکتا ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ جواب کوئی لقانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مذہب حقیقت میں اُنہاں ہی پر اتنا ہے جتنا خدا انسان۔ اور خیر و شر کی جن قدروں کو یہ لوگ انسانی ضمیر یا روحانی و اخلاقی حس سے مسحوب کر رہے ہیں ان کا

متلاکر لیا ہو کون ہے جو ملت ابراہیمی سے روگردانی اختیار کرے۔ آیت (۱۳۰)

اس آیت نے دلوگ فیصلہ کر دیا کہ جو لوگ امور دنیا میں چاہے ہے حد عقل مدنظر آئیں، علوم و فنون میں طاق ہوں، ایجاد و اختراع میں ان کا جوابش ملے مگر دنیا ہی کی نزدیکی کو سب بچھ جھٹت ہوئے وہ آخرت کی لا محمد و دنیوی سے غافل ہوں یا اخروی زندگی کے لئے انہوں نے ملت ابراہیمی کے عرض کسی اور ملت مذہب سے رشتہ جوڑ لیا ہو وہ بیکثیت جمبو عی عقلمند نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو ایسی حماقت میں اسیر کر لیا ہے جو انہیں بڑی سخت صیحت میں مبتلا کرنے والی ہے۔

ان کے سارے دنیاوی کئے دھرے پر پانی پھر نیوالی ہے۔ انہیں بجائے فائدے کے خسارہ دینے والی ہے۔

سورہ الحمد میں بیان کیا گیا کہ اپنے رب سے سکر کرنے والے جب گروہ در گروہ دوزخ میں ڈالنے جا رہے ہوں گے تو ہم کا داروغہ ان سے سوال کرے گا کہ بد نصیبو اکیا تمہارے پاس چیاتِ دنیاوی میں کوئی ایسا انسان نہیں پہنچا تھا جس نے انہیں خبردار کیا ہوتا کہ جو تصوریات تم نے اپنایا ہے اس کی پاداش میں تھیں ایک دن بھڑکتے ہوئے شعلوں ہیں جھونک دیا جائیگا اس سوال کا جواب وہ دیں گے کہ ہاں! ایسے لوگ

پہنچے تو تھے مگر ہم بد نکتوں نے انہیں جھٹلا دیا۔ ہم نے ان سے بر ماہکا تم غلط کہتے ہو، اللہ نے کوئی کتاب نہیں اُتاری۔ ہم نے اپنی مگر ایسی محروس کرنے کے عرض خود ان کو مگر اہ فسرا دیا۔ کامن ہم نے ان کی بات سنی ہوتی یا ہم نے عقل استعمال کی ہوتی تو آج ہم اس بذریعہ حشر کو نہ پہنچتے (کوئی اشمع اور نعلق مان کنافی اُنچاپ اسشعیر) آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کسی تخصیص یا اتنا کے بغیر قسم ہی اہل کفر کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے ان میں وہ جفا دری سائنسی، عالمی دراع مفکرین، مشہور و مقبول فنکار، بال کی کھال نکالنے والے مناطقہ، قلا سفہ اور آسمان

مکمل کہا جاسکتا ہے جب تک اس میں حقیقت کی صلاحیت باقی ہے صنعتی انقلاب کے دور میں سائنس کی ترقی نے اس زمانے کے حالات کے مطابق بہت بڑا تغییری کارنا مردم انجام دیا ہے اور اپنے زمانے کے تقاضوں اور ضروریات کی تکمیل کی ہے مگر سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جو سائز ہیں دریشیں ہیں کیا ان کو سائنس کی تجربہ کا ہوں کے ذریعے حل کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہے کیونکہ ہمارے موجودہ مسائل اخلاقی نوعیت کے ہیں جنھیں سائنس حل نہیں کر سکتی، بلکہ دوسری بادی تدبیر سے بھی انھیں حل کرنیکی تمام کوششیں ناکام ہو جکی ہیں اور خدا کے تصویر کے بغیر سماجی اغراض کا علاج کرنے کے نعمانات ہم پر اچھی طرح واضح ہو چکے ہیں۔ اس لئے ذور حاضر کی سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ انسانوں میں ایک ما فوق الفطرت ہٹھی پر ایمان لانے کے جذبے کو دباہرہ زندہ کیا جائے۔

دماخوذ از ماہنامہ بیانات۔ کراچی۔ بتاریقہ عالم ۱۹۷۸ء  
پروفیسر آر نیلڈ کا یہ اقتباس ہم نے ان حضرات کی تواضع میں پیش کیا جس کی خبر میں لطف ہی نہیں آتا جتنا کہ وہ یا تیر میں نہ چھوڑ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس حقیقت کا پروفسور صاحب نے اعتراف کیا ہے وہ ایک پیش پا اقتدار و خالقیت ہے جسے بدیہیات میں شمار کرنا چاہیے۔ ہماری چہارہ کا کام فضایاں اُر نے ہے زمین کھودنا یا کپڑا ابنتا نہیں۔ اسی طرح سائنس کا کام صرف مادیات و مرتبیات میں خود و تفہیص کرنا اور میکانیکی جو و جہد کو آجے بڑھانا ہے روحانی، معنوی اور ماوراء الی حقائق سے اس کا کوئی نامہ نہیں۔ اخلاقی جس، یا انسانی ضمیر یا وجود اتنی اور تخت الشعوری حیات کو دنیا کی کسی خوردگی سے جسم شکل میں نہیں دیکھا جاسکتا ہے انسانی معاشرے کی صحت میں تنظیم اجتماعی کی شیرازہ بندی اور تمدن کی تہذیب میں

واحدہ مرحومہ اور مبداء و منبع مذہب ہی ہے نہ کہ کوئی اور شے۔ روحانیت اور اخلاقی اصول و اقدار جیسے افاظ مذہبیے مکمل انقطاع کر لینے کے بعد اُس روایج کے مائدہ ہیں جسے اپنی کار فرمائی کے لئے کوئی جسم میسر نہ ہو۔ مذہب ایک ماورائی سانچر ہے جو انسانی حیات کو ہبہت اور حسن عطا کرتا ہے۔ مذہب خیر و شر کی تجزیہ کیلئے واحد خطوط ہمیچتا ہے۔ مذہب قابل فہم ہمیولے تیار کرتا ہے اور انھیں لائق شناخت خود و خالہ ہوتا ہے۔ مذہب ہے کو بالاتے طاق رکھدی یا جائے تو روحانیت، تضییی اور اخلاقی تصورات کی مثال ان اس تجدیدی آرٹ کی ہو گئی جسے زید توکی مغل شہزادی کا تصور ای خالک خیال کرتا ہے مگر بکر کے نزدیک وہ مستقبل کے کسی سے حد ترقی یا فتوحاتی جہاز کا آئیڈیل نقشہ ہے اور عمر و کی دلبرت میں وہ کسی نئے قسم کے موثر گیرج کی نامکمل تصویر کے سوا کچھ بھی نہیں۔

”یچے امام غزالی“ کا جو فرمودہ ہم نقل کر آئے ہیں اس کے پہلو بہ پسلو اگر مشہور مورخ پروفیسر آر نیلڈ بے۔ قائن پی کا بھی ایک فرمودہ ملاحظہ فرمایا جائے تو دلچسپی سے غالی نہ ہو گا۔ وہ اپنے مضمون ”موجودہ انسان کو تابع ہتی تبیہ“ میں فرماتے ہیں۔

”عصر جدید کے انسان کا حال اس بارے ہوئے جو اور کی طرح ہے جس نے د کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنے تمام داؤ بیچ تاریخیں لگادیے ہوں۔ ہمارا تک کر تمام داول دو ول اور اپنی زندگی کی بازی بھی لگادی ہو۔ تاکہ وہ کامیابی حاصل کر سکے۔ مگر اس بے اد جو دا سے اپنی ان تداریں د کے کامیاب ہونے) پر بھروسہ اور اعتماد ہیں ہے۔ تابع عالم کے مکمل مطالعہ کے بعد میں اس توجیہ پر پہنچا ہوں کہ دنیا وی کامیابی انجام کا مرتبہ بڑی ناکامی کا سبب بنتی ہے بلکہ اور قوموں کی تہذیب و تمدن کو صرف اسی وقت تک صحیح اور

عدالتون پر نظردا لئے۔ ہر مقدار میں دونوں طرف کے وکیل بڑھ چڑھ کر عقل و مفہوم کے چھوٹ کرتے نظر آئیں گے، پال کی کھان نکالنے دھائی دین گے۔ مگر اس تجھ کاوی سے پچھلے بھی حاصل نہ ہوا گرتے نہ کہ نیجا جائے کہ عدالت کی کوشی پر بیٹھا ہوا ج یہ فیصلہ دینے کا محاذ ہے کہ کوئی متعقولیت پرستی اور کون نامعقولیت پر۔ پھر آئین اس امکان کو سلیم کرنے ہوئے کہ ایک تنخ غلطی بھی کر سکتا ہے عوام کو پر حق دیتا ہے کہ وہ دوسری برتہ عدالتون ہیں اپیلے جاتیں لیکن آخر کار ایک اچھی عدالت

تباہ جا کر یہ حق ختم کر دیا جاتا ہے۔ آخر کس نے؟ کیا غلطی کا وہ امکان ہیاں موجود ہیں جسے عدالتون کے نئے سلیم کیا گیا ہے۔ کیا سپریم کورٹ کے جھوٹ کو قواعدہ ایسا بالاتر صحبت کے نئے کوئی معقول وجہ موجود ہے کہ ان سے خطاباً صدور نہ کیا نہ ہو؟

نہیں یہ بات نہیں۔ بھول پوک، سہو و خط اور فکر و بصیرت کی غلطی کے امکانات ہیاں بھی موجود ہیں اور انسان کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں ہیں کی بناء پر وہ دنیا کی کسی بھی عدالت کے جھوٹ کو معمول عن الخطا تصویر کر سکے یا کوئی وہ جھوڑ ہے کہ کسی نہ کسی عدالت کو حرف آخر اور جھوٹ غلطی قرار دے۔ اس کے بغیر مقدمات کا اختناہ اور تنازعات کا آخری نیکی ممکن ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل و مفہوم اور بحث و نظر پر کسی نہ کسی کو قاضی اور امر مقرر کرنا بہرحال ایک مرحلے میں ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر اجتماعی تحدیگی کی شیرازہ بن دی ہو رہی نہیں سکتی۔

بنی ہیں سے مذہب کی ضرورت تخلقی ہے۔ مذہب ہی ایک ایسی بالاتر ہستی کا تصویر دیتا ہے جس کے واریں کو جبر و تشدد کی بیداری نہیں بلکہ تدب و ذہن کی بوری آنادی اور جذبہ احترام کے ساتھ قبول کرنا اس نے ممکن ہے کہ وہ بدیہی طور پر قانون بنانے اور حکم چلانے کی حق دار ہے۔ وہ ہمارے ہی جیسی نہیں بلکہ عقل و علم، قدرت و قوت، ثبات و بقا اور عظمت و جبروت ہر و صفت میں

آزادی کے لئے اگر اخلاقی خوابطوں، قدر و اولاد صوبوں کا وجد ناگزیر ہے تو پھر یہ بھی ناگزیر ہے کہ عقل و سائنس کے علمبردار مذہب کو مشتعل رہا گی جیشیت سے قبول کریں اور جہاں کہیں مجدد عقل کے ترقا ضمہ مذہب کے تقاضوں سے متصادم نظر آئیں وہاں بہ رضا اور غارت یہاں لیں کہ نہیں کی نگاہ اُس عقل سے زیادہ کھربی اور دور میں ہے جس کی تکمیل تازہ مادیت کی حدود سے آگے نہیں جاسکتی۔

تفصیل میں جلتے تیزندگی کے ہر ہر دائرے اور مسائل حادث کے ہر ہر گذشتہ میں عقل و مجدد کی بے بی اور مذہب کی ضرورت پر ضبوط لا اس بھروسے ہوئے ملیں کے نیکن خود وقت کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ہیاں صرف شعبہ قانون کا ذکر کرتے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ آئین و قانون کے بغیر کسی قابل ذکر تہذیب و تجدید کا تصویر ہی خالص ارجمند ہے۔ اجتماعی زندگی کے لئے قانون کا وجود اتنا ہی ضروری ہے جتنا الفردی زندگی کے لئے یا انی اور غذا۔ ہم کہتے ہیں کہ مذہب اور اس کے عطا کرده حقائق و تصویرات کو اگر یکسر نظر انداز کر دیا جاتے تو آئین و قانون کے ارتقای اور احترام کی بات تو الگ رہی اس کا نفس وجود ہی خطر میں پڑ جاتے گا۔ آخر گیوں ضروری ہو کہ ہمارے ہی جیسے پچھا انسان ایک قانون وضع کریں تو ہم اسے تہیہ دل سے قبول کریں۔ ہم میں اور ان میں بھی اسی فرق تو پچھلی نہیں ہم اور وہ دونوں ہی ایک حقیر قطرہ آب کی پیداوار ہیں۔ اور یہ میں سے کسی کے پاس ایسی کوئی سند نہیں ہے جس سے یقین حاصل ہو جاتے کہ اس سند کا الگ علم و عقل کے کسی بالاتر مصادر و مرکز سے ربط رکھتا ہے۔ پھر آخر کس نے ہم یہاں لیں کہ ہمارے ہی جیسے انسانوں کے وضع کرده تو انہیں ہماری خواہشات، ہماری امکنگوں اور ہماری ضرورتوں پر بالادستی اور حکمرانی کا اختیار رکھتے ہیں۔

یہ ہے کہ جن گواہوں کا فائدہ جھوٹ بولنے میں پیو وڈٹ کر جھوٹ بولیں اور ناظر ہر ہے کہ سچ بولنے میں فائدہ کم ہی ہوتا ہے لہذا عمل انصاف کی راہ کا سب سے بڑا وڑا اگر کوئی ہو سکتا ہے تو ہی طرز فکر ہو سکتا ہے جو مذہب کے مکتد کر کے جو عقل کو زماں کا کار سوپنا ہے۔ مذہب تو عمل انصاف کی راہ سے رکاوٹ میں دور کرتا اور آسانی ان ہوئیا کرتا ہے۔ مذہب انسانی بالٹن کی ان گہری تہوں تک اپنا اثر پہنچا ہے جہاں عقل و سائنس کی سچ براۓ نام بھی نہیں اور بالٹن ہی وہ شے ہے جو انصاف کے افعال و اعمال کی صورت گری کا واحد اور حقیقی ذمہ دار ہے۔

خلاصہ ہماری معروضات کا ہے اتنا ہے کہ عقل اور نہیں ایک دوسرے کے معاون ہیں کہی مسائل حیات کو ٹھیک کر پر بھاگتے ہیں۔ نہ مذہب کو عقل کے بغیر چارہ ہے اور نہ عقل کو نہ ہے کے بغیر فرق یہ ضرور ہے کہ عقل کا دائرہ کام محدود ہے اور مذہب کا واضح تر۔ عقل صرف محسوسات و مہیات میں جبوس رہتی ہے اور نہیں معنوی اور ماورائی صداقتیں کا انت دار ہے۔

رہایسوال کہ مذہب سے مراد کو نہیں ہے اور یہ میں سے کسی ایک مذہب کو باقی تمام مذہب پر ترجیح ہی جاسکی ہے تو یہ ایک الگ ہو جو نوع ہے جسے اس وقت چھپڑنے کی کجھ اشیں نہیں۔ لیکن جب بھی آپ اسے چھپڑنے سے عوقاب نہیں آپ کو اس واحد سچے شک پہنچاتے گی کہ کارگر حیات میں کچھ تجھی رہنمائی دینے والا اگر کوئی نہیں ہو سکتا ہے تو وہ اسلام ہو سکتا ہے۔ اسلام کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا ہے جو اس کا عالم ہے بھی نہیں کہ میں زندگی اور کائنات کے جملہ مسائل دعاءات میں رہنمائی دے سکتا ہوں۔ ہر زندگی کے بہت ہی محدود و معدود گوشوں تک قدم زنی کرتے ہوئے کیا تمہارا اور فقط اسلام ہی ہے جو یورپی اعتماد کے ساتھ ہے کہ پکائے کہتا ہے کہ میں جہد سے لیکر لحد تک اور زمین سے لیکر آسمان تک زندگی اور کائنات کے ہر ہر گوشے اور ہر ہر شعبے کے لئے مستقل نظام قانون اور واضح انداز فکر رکھتا

ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایسا کوئی نظام قانون نہیں

ملتا جس نے مذہب کے دیے ہوئے تصورات و حقائق سے سکھی طور پر اپنا راستہ منقطع کر لیا ہے۔ اس کا اعتراف قانون کی تاریخ کے معروف عالم تصریحی میں (SIR HENRY MAINE) بائیں الفاظ کرتے ہیں کہ:-

”تجربی طور پر منضبط قانون کا کوئی ایسا نظام

چین سے پیر (P.E.R.) نکل ہیں نہیں

ملتا جو اپنے دو آغاز ہی سے مذہبی رسوم و عادات

کے ساتھ ہم رشتہ نہ رہا ہے۔“

(EARLY LAW AND CUSTOM P.S.)

جو وال الہدی۔ در جنگلہ۔ ۱۶ افروری ۱۹۷۲ء)

ڈاکٹر فرازی میں لیکل تھیوری (LEGAL

(THEORY) میں لکھتے ہیں:-

”ان مختلف گوشوں کا جائزہ لیا جائے تو یہی ترجیح

برآمد ہوتا ہے کہ انصاف کے حقیقی معیار کو معین

کرنے کے لئے نہیں کی رہنا ہی حاصل کرنے کے

سو زد مری ہر گوشے فائدہ ہوگی اور انساف

کے مشائی تصور کو عملی طور پر تسلیک کرنے کے لئے

نہیں کی دی ہوئی اساس بالکل منفرد طور پر

حقیقی اور سادہ بنیاد ہے۔“

(لیکل تھیوری صفحہ ۳۵ - جوال سابق)

سب جانتے ہیں کہ قانون اپنے عمل انصاف میں ہر

ستدم پرالی ی شہادتوں کا محتاج ہے جو واقعات و حقائق کو

ٹھیک طور پر سامنے لا یں اور وہ حقات و حقائق کا ٹھیک

طور پر سامنے آنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ شاہدؤں کے

اندر سچ بولنے کا قوی داعیہ پایا جاتا ہو۔ ہمیں بتایا جائے

کہ اگر سچ اور جھوٹ کے بارے میں نہیں کے دیے ہوئے

عقیدے کو درسیان سے ہٹا دیا جائے تو عقل اور سائنس یا

فلسفہ و مفہوم یا علم کلام کے اس ایسا کو نہیں فارمولہ موجود

ہے جو اس داعیے کو پیدا کر سکے۔ عقل کا مقاصد ا تو صرسی

**خواجہ گسیور ام** | معروف شیخ طریقت خواجہ  
گسیور ام کا ذکر نیز ان کی  
تصنیفات کا محل صدر اور ملفوظات کا عطر اہل دل کیلئے  
بڑے کام کی چیز ہے۔ قیمت جلد سائیٹ پا بخ روپے

## ادبیات

### کلیات ظفر

تحقیت دہلي کے آخری تاجدار سراج الدین ہبادر شاہ کا مجموعہ  
کلام۔ غزلوں کے علاوہ بیتلث۔ نجس۔ مسدس وغیرہ  
قیمت۔ مجلد مندرجہ روپے

### انتخاب کلام ظفر

شاہ ظفر کے کلام سے انتخاب کرنے ہوتے خاص خاص اشعار  
قیمت۔ مجلد دھانی روپے۔

### انتخاب کلام میر

تیرہہ بلندیا یہ شاعر تھے جن کے کہتے ہی اشعار اردو و فارسی  
میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئے۔ ان کے کلام کا یہ  
انتخاب اہل ذوق کیلئے تفضیل ہے۔ مجلد دو روپے۔

### انتخاب کلام داع

استاد الشعرا م داع دہلوی کے جنیدہ اشعار۔ مجلد دھانی روپے  
غزلیں

ڈیڑھ سو سے زائد پر انسے اور نئے شعرا کی خاص خاص  
غزلیں۔ قیمت مجلد۔ ڈھانی روپے

### درس عبرت

بعض تاریخی و اتفاقیات عبرت شعر کی پڑھنی ہیں۔ ۵۰ پیسے

### از آدم تا ایں دم

مشہور شاعر جاہل از رضا بری کا ایک خاص کاظمیہ شعری  
سین آموزی کے انداز میں تاریخ عالم کے ایک تاباک

### دُور کا ذکر منظوم

ایک روپیہ  
مکتبہ جات جملی۔ (لوبند لیلی پی)

ہوں۔  
ایسے اسلام فقط ایک مذہب ہیں بلکہ سچ معنی  
میں ایک دین ہے۔ ایسا دین جو انسان کو میدان جیات  
میں ایک پل کے لئے بھی تہذیب نہیں چھوڑتا اور حق یہ ہے کہ  
اسلام کے سواد نیا میں کوئی دین ہے ہی نہیں۔ ویسے یہ میں علم  
بھکر دین کا فقط عنوان مذہب ہی کی وجہ استعمال کر لیا جاتا ہے  
اور خود قرآن نے ماں بول چال کا لحاظ کرتے ہوئے اسے دوسرے  
منہ اپنے بگئے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن حقیقت نفس الامری  
یہ ہے کہ دوسرے تمام مذاہب فقط اصطلاح اور لفظ  
دین ہیں نہ کہ داعیت۔ اور اسلام ہر اعتبار سے دین ہے۔ مرتباً  
منظوظ جامع اور بسیط۔ اسی لئے ہم اس خوش گمانی کو فلسطینیں  
سمجھتے کہ جو کچھ ہم نے پھیلے صفات میں مذہب کی ضرورت و  
اہمیت پر عرض کیا ہے وہ حقیقتاً اسلام ہی کی ضرورت و  
اہمیت سے عمل رکھتا ہے اور عنوان اس کا "مذہب اور تعلیم"  
کے بجائے "اسلام اور عقیلیت" رکھ لیا جائے تو کوئی علمی قصص  
واقع نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصلاب۔ و آخر دعا نا  
لِلّٰهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ فارغنا

### ہشی زیور کامل و مدلل

فوٹو آفیٹ سے چھپا ہوا  
ایک ہی مجلد میں کامل

قیمت مجلد ریگزین — بارہ روپے

**الفاروق** | پرم اخیلیہ شانی حضرت عمر فاروق رضی کی بیت  
پر علام شبلی نعمانیؒ کی شہر آفاق تالیف  
جو حضرت فاروقؓ کے عادات و خصائص علمی کمالات،  
سوچ اور ان کے عہد کے تمام ملکی، مالی اور فرجی انتظامات  
اور ان کے عجہد اور کارنا میوں کو شرح و سیوط کے ساتھ  
پیش کرتی ہے۔ قیمت جلد — چھ روپے

**دارالاسلام** اور **دارالحرب** | دارالاسلام کے کہتے  
ہیں۔ دارالحرب کی کیا

تعریف ہے، اور ہندوستان کی کیا حیثیت ہے؟ ان سوالات  
پر محققانہ بحث اور قابل اعتماد فیصلے — ایک روپیہ۔